مولانا آزاد کے مذہبی عقائد

(از:- جناب رفیع اللہ صاحب عنایتی۔ لکچرر شعبۂ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

مولانا آزاد کی حیثیت ایک عالم دین کے لحاظ سے بڑی بلند ہے۔ بقول نیاز فتحپوری اگر اس عہد میں کوئی مجدد کہلانے کا مستحق ہوتا تو وہ مولانا ابو الکلام آزاد تھے۔ اس لئے کہ ان کا علم اور ان کی بصیرت اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ تھی انھوں نے مذہبیات کا مطالعہ بڑے انہماک سے کیا تھا۔ اور اپنے سارے مذہبی عقائد و افکار کا سرچشمہ قرآن حکیم ہی کو ٹھہرایا تھا۔ قرآن کو جس طرح انھوں نے سمجھا اور اس کو عملی زندگی میں برت کر دکھایا وہ انھیں کا حصّہ تھا۔ انھوں نے ہمیشہ قرآن کے عالمگیر اصولوں پر زور دیا جو کسی خاص نسل اور قوم کے لئے نہیں ہیں۔ وہ آفاقی ہیں۔ اس لئے کہ خدا بھی ساری کائنات کا خدا ہے۔ قرآن ہی میں نوعِ انسانی کے سیاسی، سماجی، روحانی، سارے دکھوں کا علاج ہے۔ اور اگر انسان ان پر کاربند ہو جائے تو پھر کسی دوسرے نظام کی حاجت نہیں رہتی۔ اس کو ماننے والے پھر کسی دوسرے در پر جبہہ سائی نہیں کرتے۔ وہ کسی دنیاوی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتے۔ وہ ساری کائنات کو مسخر کر سکتے ہیں۔ اگر قرآنی تعلیمات پر سچے دل سے عمل پیرا ہو جائیں۔ مولانا کے نزدیک قرانی تعلیمات انسان کی ساری زندگی پر حاوی ہیں۔ ان کو ماننے والے سچے مومن اور اولیائے دین ہیں۔ وہ خدا کی جماعت ہیں۔ اور ساری کائنات کے لئے باعث رحمت و برکت ہیں۔ ان کے قلوب نورِ ایمان سے منور ہیں۔ ان کی پیشانیاں روشن ہیں۔ وہ دنیا میں فلاح و سعادت کے داعی ہیں۔ تاریکی کی جگہ روشنی اور ظلمت کی جگہ نور کے پھیلانے والے ہیں۔ وہ صرف ایک خدا کے سامنے سرِ نیاز خم کرتے ہیں۔ ماسوا ر کے روبرو نہیں۔ دنیا کا کوئی لالچ، دنیا کی کوئی طاقت ان کو خرید نہیں سکتی۔

مولانا سارے مذہبی عقائد کی بنیاد توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج پر رکھتے ہیں۔ اور

قرآن کی تعلیمات کو اپنے انداز پر پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے مختلف جگہ ان پانچ ارکانِ دین پر جس طرح روشنی ڈالی ہے وہ انھیں کا حصّہ ہے۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر، الہلال و البلاغ سے ان کے مذہبی عقائد کو مرتب کیا جاسکتا ہے۔

مولانا کے نزدیک اس سارے کارخانۂ کائنات کے پیچھے ایک صاحبِ ادراک و ارادہ قوت کارفرما ہے۔ یہ ذی شعور قوت خدا ہے۔ یہی الٰہ ہے۔ وہ اس قوت کو بحیثیت ایک اصولِ تخلیق (Creative Principal) کے تسلیم کرتے ہیں۔ جس پر ساری کائنات کے ارتقار کا دارومدار ہے۔ ساری حمد و ثنا اسی خدائے واحد کے لئے ہے۔ لکھتے ہیں "ساری حمد و ستائش اسی ذات کے لئے ہے جو اپنی کارفرمائی کے ہر گوشہ میں کرشمۂ رحمت و فیضان اور معنیٔ حسن و کمال ہے"۔

ایک اور موقع پر اس طرح اظہار رائے کرتے ہیں۔ "پس اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کا اعتراف اس حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ کائناتِ ہستی کا تمام فیضان و جمال خواہ کسی گوشہ اور کسی شکل میں ہو، صرف ایک صانعِ حقیقی کی صنعتوں ہی کا ظہور ہے۔ اس لئے حسن و جمال کے لئے جتنی بھی شیفتگی ہوگی، خوبی و کمال کے لئے جتنی بھی مدحت طرازی ہوگی، بخشش و فیضان کا جتنا بھی اعتراف ہوگا، مصنوع و مخلوق کے لئے نہیں ہوگا۔ صانع و خالق کے لئے ہوگا"۔ خدا کی صفات ربوبیت، رحمت و عدالت ہیں۔ وہ رب ہے۔ یعنی کائنات میں جتنی چیزیں بھی ہم کو نظر آتی ہیں ان کو اس نے پیدا کیا ہے اور اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ اپنی مخصوص فطرت، طبائع اور خواص رکھتی ہیں۔ اور ان کی فطرت ان کے ماحول سے الگ نہیں بلکہ ان کی مناسبت سے ہے۔ ہر چیز کے لئے ایک مخصوص ماحول رکھا ہے۔ اور اس میں اس کے لئے ساری ضروریاتِ زندگی کو فراہم کر دیا ہے۔ ان کی پرورش کے سارے سامان مہیا کر دیئے ہیں۔ لیکن ضروریاتِ زندگی و بقار کو چیزوں کی مناسبت اور اہمیت کے مطابق ہی پیدا کیا اور مہیا کیا ہے۔ جو چیزیں زیادہ اہم تھیں جن پر حیات کا دارومدار تھا ان کو عالمگیر بنا دیا اور ہر طرف عام کر دیا۔ مثلاً ہوا، پانی اور روشنی خدا ایک حقیر سے جاندار کو بھی اسی طرح پالتا ہے جس طرح ایک اعلیٰ کو۔ اس کے نزدیک سب اس کی

مخلوق ہیں۔ تو ساری کائنات میں اس کی ربوبیت کارفرما ہے۔ لکھتے ہیں: "وہ اس کے رب العالمین ہونے کے معنی یہ ہوئے کہ اس کی خالقیت نے کائناتِ ہستی اور اس کی ہر چیز پیدا کی ہے۔ اسی طرح اسکی ربوبیت نے ہر مخلوق کی پرورش کا سروسامان بھی کر دیا ہے، اور یہ پرورش کا سروسامان ایک ایسے عجیب و غریب نظام کے ساتھ ہے کہ ہر وجود زندگی اور بقا کے لئے جو کچھ مطلوب تھا، وہ سب کچھ مل رہا ہے، اور اس طرح مل رہا ہے کہ ہر حالت کی رعایت ہے۔ ہر ضرورت کا لحاظ ہے۔ ہر تبدیلی کی نگرانی ہے اور ہر کی ہستی ضبط میں آچکی ہے۔"

ربوبیت کے علاوہ اس سے بھی بڑی صفت اس کی رحمت کی ہے۔ خدا رحیم ہے۔ اس کی رحمت کا فیض ہر سو عام ہے۔ جہاں اس کی ربوبیت ساری چیزوں کے لئے ان کی پرورش کا سامان فراہم کرتی ہے وہیں اس کی رحمت ان کے انتخاب حسن اور تراش خراش کا کام کرتی ہے۔ اس کے ذریعہ کائنات کی اشیاء میں نظم، ربط و ضبط قائم ہے۔ حقیقۃً اس کی ربوبیت اس کی رحمت ہی کا ایک حصہ ہے۔ رحمت چیزوں میں یہ شعور بیدار کرتی ہے کہ وہ اپنے مخصوص حالات اور ماحول میں اپنی صفات اور محاسن کو اجاگر کر سکیں۔ وہ اپنی اصل کو پہچان سکیں۔ اور اپنی شخصی اور اجتماعی شخصیت کو پروان چڑھا سکیں۔ اس کی رحمت چیزوں کے انتخاب کی قائل ہے۔ جاندار چیزیں باقی رہتی ہیں اور ناکارہ ختم ہو جاتی ہیں۔ ہر طرف تنازع البقاء کا عمل جاری و ساری ہے۔ لیکن ایسا ہونا لازمی ہے اس لئے کہ اس کے بغیر کائنات کا نظام باقی نہیں رہ سکتا۔ کیا خوب لکھتے ہیں: "جب ہم کائنات ہستی کے اعمال و مظاہر پر غور کرتے ہیں تو سب سے پہلی حقیقت جو ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے۔ وہ اس کا نظام ربوبیت ہے کیونکہ فطرت سے ہماری پہلی شناسائی ربوبیت ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن جب علم و ادراک کی راہ میں چند قدم آگے بڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ربوبیت سے بھی ایک زیادہ وسیع اور عام حقیقت تمام کائنات ہستی میں کارفرما ہے اور خود ربوبیت بھی اسی کے فیضان کا ایک گوشہ ہے۔ ربوبیت اور اس کا نظام کیا ہے؟ کائنات ہستی کی پرورش ہے لیکن کائنات ہستی میں صرف پرورش ہی نہیں ہے بلکہ پرورش سے بھی ایک زیادہ بنانے، سنوارنے اور فائدہ پہنچانے کی حقیقت کام کر رہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی فطرت میں فائدہ ہے، اس کے بناؤ میں

خوبی ہے، اس کے مزاج میں اعتدال ہے، اس کے افعال میں خواص ہیں۔ اس کی صورت میں حسن ہے، اس کی صداؤں میں نغمہ ہے، اس کی بو میں عطر بیزی ہے اور اس کی کوئی بات نہیں جو اس کارخانہ کی تعمیر و درستگی کے لئے مفید نہ ہو۔ پس یہ حقیقت جو اپنے بناؤ اور فیضان میں ربوبیت سے بھی زیادہ وسیع اور عام ہے، قرآن کہتا ہے کہ رحمت ہے۔ اور خالقِ کائنات کی رحمانیت اور رحیمیت کا ظہور ہے۔"

ربوبیت اور رحمت کے علاوہ خدا کی ایک اور بھی صفت ہے اور وہ عدالت ہے۔ یعنی خدا جہاں ساری کائنات کا رب اور رحمان ہے وہیں وہ عادل بھی ہے۔ یہ کائنات ایک مخصوص نظام کے ماتحت چل رہی ہے۔ اس میں جزا و سزا کا عمل کارفرما ہے۔ ہر نیکی کا بدلہ خیر اور برائی کا برا ہے۔ اولیاء اللہ کو جزا اور اولیائے شیطان کو سزا ملتی ہے۔ یعنی نیکی و بدی کوئی علیحدہ چیزیں نہیں۔ وہ چیزوں کی فطرت میں ودیعت ہیں۔ ہر جگہ عدالت کا اصول کام کر رہا ہے۔ تقدیر کوئی علیحدہ چیز نہیں۔ خدا عادل ہے لیکن اس کے عدل میں اس کی رحمت کارفرما ہے۔ وہ چیزوں کی تراش خراش اس لئے کرتا ہے کہ اس پر کائنات کے نظام اور اس کی بقا کا انحصار ہے۔ ایک موقع پر انھوں نے اس بات کو اس طرح ظاہر کیا ہے: "صاف صاف لفظوں میں جا بجا یہ حقیقت واضح کر دی کہ اگر دین الٰہی نیک عمل کی ترغیب دیتا ہے۔ اور بد عملی سے روکتا ہے، تو یہ صرف اس لئے ہے کہ انسان نقصان و ہلاکت سے بچے، اور نجات و سعادت حاصل کرے .... اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے خدا کی صفات کا جو تصور قائم کیا ہے، اس میں قہر و غضب کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ البتہ عدالت ضرور ہے۔"

خدا کی "الوہیت" کی "ربوبیت"، "رحمت" اور "عدالت" تین صفات ہیں۔ اور انھیں صفات کے مجموعہ کا نام اللہ ہے۔ مولانا کے نزدیک وحدت کا یہی تصور ہے۔ یہ اتنا آفاقی ہے کہ اس میں کسی رنگ و نسل اور مذہب و ملت کی قید نہیں۔ خالص تعقل و تفکر پر اس کی بنیاد ہے۔ وہ عقل کے ذریعہ کائنات کو سمجھنے اور اس کی ربوبیت، رحمت اور عدالت کے قانون کو سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ عقل ہی کے ذریعہ اس اصول تخلیق کو جو ساری کائنات میں کام کر رہا ہے سمجھ سکتے ہیں،

یہ بات ان کو بیسویں صدی کے علوم و فنون کی ترقی سے حاصل ہوئی ہے۔ ان کے افکار خالص اس صدی کے ہیں۔ لیکن چونکہ بنیادی طور پر وہ مذہبیات کے بڑے عالم تھے اور پھر اس کو سمجھنے کے لئے انھوں نے وسعتِ نظر اور روشن خیالی سے دوسرے علوم و فنون کو پڑھا تھا اس لئے انھوں نے قرآن کی تعلیمات کو مسخ نہیں کیا۔ اور ان کو اس طرح پیش کیا جیسا اس صدی میں پیش کیا جا سکتا تھا۔

توحید کے بعد نماز کا درجہ و مرتبہ ہے۔ نماز کے بارے میں مولانا نے الہلال میں بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور انفرادی اور اجتماعی سیرت کی تشکیل کے اصول قرآن پاک سے اخذ کئے ہیں۔ اس ساری کائنات کا ایک رب ہے۔ جس نے ابتدا سے حضرت محمدؐ تک اپنی ہدایتوں کو صحیفوں کی صورت میں نازل کیا ہے تاکہ نسل انسانی ہدایت حاصل کرے اور کائنات کے لئے باعث رحمت و برکت ہو۔ قرآن ان سب کی آخری صورت ہے۔ وہ آخری دستور العمل ہے۔ جس کو خدا نے اپنے نبی آخر الزماںؐ پر اتارا کیا۔ جو اپنے اندر انفرادی و اجتماعی سیرت کی تشکیل کے اصول رکھتا ہے۔ نماز ساری عبادت کا جوہر و خلاصہ ہے۔ مولانا کے نزدیک :۔ "نماز روحانیت کا سرچشمہ، ہدایت قلبی کا منبع، نیکی کا مرکز، برکات الٰہیہ کا مہبط، اور انسان کو تمام بہیمی قوتوں اور نفسانی جوشوں سے بچانے والی ہے۔ وہ مومن کو ضبطِ نفس اور تقویٰ کی تعلیم دیتی ہے۔ اس میں سب سے بڑی مہم اطمینانِ قلب و حضورِ نفس و خشوعِ طبیعت ہے کہ انسان تمام اعضاء اور تمام قویٰ اور جذبات سے خدا کی جانب متوجہ ہو جائے اور جن اغراض کے لئے نماز کی تاکید کی گئی ہے ان کو نہایت مکمل طریق پر بجا لائے"۔ یہ فحشات و منکرات سے روکتی ہے۔ نماز انسانی زندگی کو پاک کرنے والی، شریفانہ کیرکٹر بنانے والی، تہذیبِ نفس اور تربیتِ ضمیر کی روح بڑھانے والی چیز ہے۔ کسی قوم یا کسی فرد کی کامیاب زندگی کے لئے ان باتوں کی جیسی کچھ ضرورت ہے ظاہر ہے۔ انسان پانچ وقت، فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء میں اپنے پیدا کرنے والے کے روبرو سرِ نیاز خم کرتا ہے۔ اور اس کی بندگی کا اقرار کرتا ہے۔ مولانا کے نزدیک یہی پنجگانہ نماز قرآن کی اصطلاح میں "نمازِ وسطیٰ" کہلاتی ہے۔ یوں تو ان میں سے ہر ایک اہم ہے اور ہر ایک کی اہمیت کے بارے میں مختلف احادیث ہیں جو "نمازِ وسطیٰ" ہونے کے ثبوت میں

پیش کی جا سکتی ہیں۔ "نمازِ وسطیٰ" وہی ہے جو دینی و دنیوی ہر قسم کی ترقیوں کی بہترین تحریک اپنے اندر رکھتی ہو۔ الغرض نماز اور اجزائے نماز سے محض خشوع و خضوع و طہارتِ نفس مقصود ہے۔ نماز وہی ہے جو حقیقی معنوں میں ادا کی جائے۔ نماز کی حقیقت یہ ہے کہ وہ فواحش و منکرات سے روکے اور انسان کی زندگی کو پاک و ستھرا بنائے۔ نماز کے ذریعہ انسان درست ہوتا ہے، خدا کی بارگاہ میں تقرب بڑھتا ہے اور اس درجہ بڑھتا ہے کہ دنیا کی تمام جھوٹی ہستیاں ہیچ نظر آنے لگتی ہیں۔ مولانا کی رائے میں: "نماز کو درست کرنا اور اس کو ٹھیک ٹھیک طریقہ پر ادا کرنا اولین رکنِ دین ہے۔ اور اگر صرف اپنی نمازیں درست و استوار کر لی جائیں، تو میں اعلان کرتا ہوں کہ دین کی ساری سرفرازیاں اور دنیا کی ساری سربلندیاں حاصل ہو سکتی ہیں۔" مولانا انفرادی و اجتماعی سیرت کی تشکیل پر زور دیتے ہیں اور جماعت کو افراد پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک افراد جماعت کے لئے ہیں۔ اور عبادات کا مقصود انسان کی سماجی حالت کو درست کرنا ہے۔ اور جماعت چونکہ افراد کے مجموعہ کا نام ہے اس لئے پہلے افراد کی سیرت کی تشکیل لازمی ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں: "اگر تم چاہتے ہو کہ معاشرتی زندگی کی اخلاقی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو تو چاہئے کہ خدا کے ذکر و عبادت سے اپنی ایمانی قوت مضبوط کرتے رہو۔ جو جماعت نماز کی حقیقت سے محروم ہو گئی یعنی عبادت کے خشوع و خضوع کا اس میں ذوق نہ ہو گا وہ کبھی عملی زندگی کی اخلاقی مشکلات پر قابو نہیں پا سکتی۔" مومنوں کی پسلیاں نرم و نازک گدیلوں پر سکون و قرار نہیں پاتیں۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے اللہ کے حضور نمازیں قائم کرتے ہیں۔ اس کی رضا کی آرزوئیں، اور اس کے وصل کی التجائیں، ان کی پیشانیاں مصروفِ سجدہ، ان کی نمازیں تسبیح کناں، ان کے قلوب محوِ لذائذِ نماز ہوتے ہیں۔" اور ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت کی زندگی میں فلاح و سعادت حاصل کرتے ہیں۔

نماز کے بعد روزہ کا درجہ ہے۔ یہ ماہِ صیام میں قرآن نازل ہوا۔ جس سے ایک زبردست انقلاب رونما ہوا۔ جس نے دنیا کی تاریخ کا صفحہ الٹ دیا۔ جس سے دنیا میں سعادت و ہدایت کا قیام ہوا۔ اور جس نے عالمِ انسانیت کو ابدیتِ روحانی و انسیتِ قلبی کو بقا دی۔ اسی مہینہ میں قرآن حکیم

اور فرقان مبین کا نزول ہوا جس نے قلب محمد بن عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اپنا مبدأ بنایا جب کہ وہ غار حرا میں بھوکے اور پیاسے تھے اور تمام مادیات سے کنارہ کش ہو کر اپنے پروردگار کے حضور میں سربسجود تھے۔ روزہ کے بارے میں مولانا ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں: "روزہ اصل تے روح کا تقویٰ، نفس کی طہارت، خواہشوں کا حبس، قوتوں کا احتساب، اور جذبات کا ایثار ہے، اور چونکہ مخلوقات کے لئے غذا کی خواہش سب سے بڑی مجبور کن خواہش ہے، اس لئے درسِ صبر، تعلیم تحمل، تولید فضائل اور رنفوذ اتقار و ایثارِ نفس کے لئے اس خواہش کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اس کو تمام روحانی فضائل کے کسب اور تمام اخلاقی رذائل سے اجتناب کا وسیلہ قرار دیا گیا"۔ پس روزہ وہ ہے جو ہمیں پرہیز گاری کا سبق دے، روزہ وہ ہے جو ہمارے اندر تقویٰ اور طہارت پیدا کرے، روزہ وہ ہے جو ہمیں صبر اور تحملِ شدائد و تکالیف کا عادی بنائے، روزہ وہ ہے جو ہماری تمام بہیمی قوتوں اور غضبی خواہشوں کے اندر اعتدال پیدا کرے، صداقتوں کا عشق، راست بازی کی شیفتگی، اور برائیوں سے اجتناب کی قوت پیدا ہو۔ یہی چیز روزہ کی اصل مقصود ہے۔ روزہ کی اصل صبر اور تقویٰ ہے۔ صبر سے خواہشوں میں ضبط و تحمل پیدا ہوتا ہے اور کسی مقصدِ اعلیٰ کے لئے شدائد اور تکالیف برداشت کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ پس اس کے لئے ضبط و تحمل کی، ایثار و احتساب کی، اتقائے روح اور طہارت نفس کی ضرورت ہے۔ مولانا اس کی تمدنی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "روزہ سے انسان کے قلب میں تقویٰ و طہارت کی جو کیفیتِ الٰہیہ پیدا ہو جاتی ہے، اس کا مظہر اگرچہ اس کی زندگی کا ہر حصّہ ہو سکتا ہے، تاہم اس کے اظہار کا حقیقی موقع معاملاتِ تمدنی ہیں، جہاں انسان کا قدم ڈگمگا جاتا ہے اور حلال و حرام کے درمیان جو شبہات ہیں ان کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔"

روزہ کے بعد زکوٰۃ کا نمبر آتا ہے۔ جب انسان روزہ رکھتا ہے تو اس کو بھوکے اور پیاسے انسانوں کی تکالیف کا احساس ہوتا ہے۔ وہ چونکہ ایک سماجی ذی روح ہے اس لئے اس کو اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے انسان کس تکلیف میں مبتلا ہیں۔ جن کا اثر اس پر بھی پڑتا ہے۔ اس لئے کہ جماعتی اور تمدنی زندگی کی فلاح کا انحصار اس پر ہے کہ سب سکھی ہوں۔ سب کو ایک حد تک ضروریاتِ زندگی فراہم

ہوں۔ ایک مقام پر اس طرح اظہار رائے کرتے ہیں: "روزہ اگرچہ نماز کا عملی نتیجہ ہے، لیکن وہ خود زکوٰۃ کی علت بن جاتا ہے۔ انسان جب روزہ رکھتا ہے تو خود بھوکا پیاسا رہ کر غریبوں اور مسکینوں کی بھوک پیاس کا اچھی طرح اندازہ کر لیتا ہے۔ پس اسے وہ فقراء و مساکین یاد آجاتے ہیں جو بارہ مہینے اس تکلیف میں مجبوراً مبتلا رہتے ہیں جس تکلیف کو روزہ دار نے اپنی خوشی سے ایک مہینے کے لئے اختیار کیا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کے دل میں ان کی اعانت کا حقیقی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب کبھی کسی بھوکے پیاسے کو دیکھتا ہے تو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیتا ہے کہ اس پر کیسی مصیبت طاری ہے۔" زکوٰۃ بھی ایک تمدنی اور سماجی مقصد ہے یہ دولت کی تقسیم اور اقتصادی مساوات کی طرف انسانوں کی توجہ کو مرکوز کرتی ہے اور اس کے اجتماع کو روکتی ہے۔ سماج میں اس کے (circulation) پر زور دیتی ہے۔ اور یہیں اسلام کا اقتصادی نظام تشکیل پاتا ہے۔ لیکن اس کی روح اخلاقی اور روحانی ہی ہے۔ وہ خالص مادی بنیادوں پر استوار نہیں ہے۔ اس طرح تمدنی اور سماجی زندگی کے سدھارنے کا حل قرآن میں موجود ہے۔

زکوٰۃ کے بعد حج کا مرتبہ ہے۔ جو ان سب ارکان دین کا نتیجہ ہے۔ قرآن کی تعلیمات عالمگیر ہیں۔ حج کا مقصد بھی یہ ہے کہ مختلف نسلوں، مختلف آب و ہوا کے رہنے والے اور مختلف بولیاں بولنے والے لوگ جو خدا کے دین پر قائم ہیں حج کے موقع پر جمع ہوں اور حضرت ابراہیمؑ کی یادگار کو تازہ کریں، قربانی کریں، خدا کی عبادت کو ادا کریں۔ اس طرح دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان مل کر ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھیں اور ان کو سلجھانے کی کوشش کریں۔ اس لئے کہ وہ سب ایک ہی ملت مسلم کے افراد ہیں۔ ان میں غلام و آقا، کمزور ضعیف، گورے اور کالے وغیرہ کا کوئی امتیاز نہیں۔ وہ سب خدا کے بندے اور ایک ہی دین کے ماننے والے ہیں۔ اس میں عربی و عجمی کی کوئی قید ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے۔ مولانا کے نزدیک حج کی عبادت کا مقصد یہ ہے: "کہ توحید الٰہی کا عقیدہ لوگوں میں پیدا کیا جائے، عبادت گذاری حق کے لئے معبد کی تطہیر کی جائے اور اجتماع حج کا اہتمام کیا جائے تاکہ مقررہ ایام میں ذکر الٰہی بلند ہوتا رہے۔ اور جو لوگ اس موقع پر جمع ہوں وہ خدا کے نام پر جانوروں کی قربانیاں کریں اور محتاجوں کے لئے غذا

کا سروسامان بہم پہنچائیں۔ لکھتے ہیں: "حج کا مقصود دعوت اسلامی کی نشأتِ اولیٰ کی یادگار، اسوۂ ابراہیمیؑ کی تجدید، مرکزِ توحید پر تمام شعوب و قبائل موحدین کا اجتماع، اور وحدتِ اسلامی و اتحادِ ممالک و امم کا ظہور و قیام ہے، اور نتیجہ اس کا تعلقِ الٰہی کی تقویت، احکامِ شریعت کا انقیاد اور رفعِ انشقاق و اختلاف اور انسدادِ تفریق و نشتتِ کلمۂ اسلام ہے۔"

یہ ہیں مولانا کے مذہبی عقائد جو ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بالخصوص اور ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے بالعموم شمعِ راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ ایسے ہی عقائد کی اس صدی میں ضرورت بھی ہے۔

اردو میں پہلی عظیم الشان سیاسی لغت

جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات

جس میں بین الاقوامی سیاست سے متعلق ہر چیز کو جمع کر دیا گیا ہے۔ پوری کتاب تقریباً اٹھارہ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور تین جلدوں میں منقسم ہے۔ پہلی جلد میں تمام بین الاقوامی شخصیتوں، قوموں اور ملکوں کے حالات کا بیان ہے، دوسری اور تیسری جلد میں بین الاقوامی اداروں کے حالات، معاہدات، تحریکات و نظریات، سیاسی اصطلاحات، واقعات، محاربات، مسائل اور تنازعات کو جمع کرنے کے علاوہ متفرقات کے عنوان سے بہت سی اہم اور مفید معلومات بھی جمع کر دی گئی ہیں۔

یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ "بین الاقوامی سیاسی معلومات" کے مرتبے کی کوئی کتاب اس موضوع پر آج تک شائع نہیں ہوئی تھی اس کی اشاعت سے ہماری زبان میں ایک لاثانی معلوماتی کتاب وجود میں آگئی ہے۔ یہ کتاب مدرسوں، لائبریریوں اور اخبارات کے دفتروں میں ریفرنس بک کی حیثیت سے بھی رکھے جانے کے لائق ہے۔ جلد اول ۸۰۰ صفحات، قیمت آٹھ روپے، جلد دوم ۵۹۶ صفحات قیمت ۵/، جلد سوم ۴۲۴ صفحات قیمت ۴/